© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

کیا لاشے بات سُنتے ہیں؟

سوال: ایک حدیث میں ابی طلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگ بدر میں کفار کو شکست دینے کے بعد ۲۴ مقتول سرداران کفار کو ایک گندے اور گہرے گڑھے میں پھنکوا کر ان سے خطاب فرمایا کہ اے سرداران قریش جو وعدہ خدا نے ہم سے کیا تھا وہ اس نے پورا کر دیا، کیا وہ وعدہ جو خدا نے تم سے کیا تھا وہ بھی پورا ہوگیا؟ فقال عمرؓ " یا رسول اللہ! ما تکلم من اجساد لا ارواح لہا؟ اے خدا کے رسول! کیا آپ ایسے لاشوں سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں ارواح باقی نہیں؟ آنحضور صلعم نے جواباً فرمایا: " والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع منہم ولکن لا یجیبون" قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ تم (میری اس گفتگو کو) ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے " (متفق علیہ۔ بخاری و مسلم)

اب آپ قرآن شریف کی طرف بنظر غائر دیکھیں اور میرے شبہ کو دور فرمائیں۔ قرآن شریف میں ہے: " وما انت بمسمع من فی القبور (اور آپ قبروں کے گڑھے مُردوں کو سنانے پر قادر نہیں ہیں)۔ دوسری جگہ ہے: فانک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین (سو آپ مردوں کو سنا سکنے والے نہیں ہیں، اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکنے والے ہیں جبکہ وہ روگردانی کر رہے ہوں)" او کالذی مر علیٰ قریۃ کا واقعہ صاف دلالت کر رہا ہے کہ یہ مردے نہیں سنتے۔ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام یا کسی اور نبی کا ہے۔ اگر وہ نبی سن سکتے تو سو سال کے طویل عرصہ میں ہزاروں آوازیں آتیں۔ ان کا گدھا ان کے پاس چیخ چیخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر مر گیا لیکن وہ نہ سن سکے جب ایک پیغمبر نہ سن سکا تو دوسرے لوگ کیسے سن سکتے ہیں۔ اصحاب کہف بھی اللہ کے نیک بندے تھے تین سو نو سال غار میں پڑے رہے، اور پھر جب خدا نے ان کو زندہ کیا تو انہوں نے بھی تین سو نو سال کے طویل عرصہ کو چند گھنٹے خیال کیا۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ قرآن و حدیث میں کس قدر تعارض و تضاد ہے۔

ممکن ہے کہ آپ مجھے منکر حدیث خیال کرتے ہوئے جواب دینے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے صحاح ستہ اور کتب فقہ و تفسیر، اصول منطق، ادب و نحو وغیرہ باقاعدہ اسلامی درسگاہوں میں حاصل کیے ہیں۔ بفضل خدا میں حنفی ہوں۔ لیکن اب دوبارہ قرآن و حدیث کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے مجھے قابل التفات نہ سمجھتے ہوئے میرے شبہات کا ازالہ نہ کیا تو شاید میں ان حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دوں جو قرآن کے مخالف ہیں۔

جواب ۔ آپ اگر خدانخواستہ منکر حدیث ہوتے تو بھی آپ کے کسی سوال کا جواب اس صورت میں ضرور دیا جاتا جبکہ اس میں ابتغائے فتنہ اور نامعقولیت کے آثار نہ ہوتے۔ اخلاص کے ساتھ حق کی جستجو کرتے ہوئے اشکال اور شبہات کا پیش آنا اور ان کا حل تلاش کرنا اور چیز ہے اور فاسد ذہن کے ساتھ خواہ مخواہ الجھنیں پیدا کر کے اور دوسروں سے حجت بازی کرنا اور مناظرانہ اسلوب کے ساتھ بدزبانی پر اتر آنا بالکل دوسری صورت ہے۔ پہلی حالت سے سابقہ پڑے تو اپنی استطاعت کے مطابق فہم حق میں ہم ہر مسلمان کو مدد دیتے ہیں، دوسری صورت درپیش ہو تو ہم فضولیات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ ان مشاغل کے لیے ہمارے پاس نہ وقت ہے، نہ قوتیں!

پورے شعور کے ساتھ قرآن و حدیث کا جو تقابلی مطالعہ آپ نے شروع کیا ہے یہ بہت قابل قدر ہے۔ درسگاہوں سے بہت سے فارغ التحصیل علماء ہر سال الفاظ کے انبار کے انبار اور نحو و ادب اور تفسیر و فقہ کی معلومات کے طومار کے طومار دماغ پر لادے اس حالت میں نکلتے ہیں کہ دین کی روح، اس کی حکمت اور اس کے اصولی مسائل کا کوئی شعور ان میں موجود نہیں ہوتا۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ یہ علم ان کو حقیقت کے قریب لے جائے الٹا دور ہٹاتا ہے اور وہ یا تو جمود کے کسی غار میں کھو جاتے ہیں، یا فتنہ پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے پھرتے ہیں، یا پھر فتنہ گروں کے کسی طلسم میں پھنس کر رائگاں عمریں گذار دیتے ہیں۔

منکرینِ حدیث نے خدا کے دین کے خلاف جو مہم شروع کر رکھی ہے وہ یہ تاثر پیدا کرتی ہے کہ فی الجملہ احادیث قرآن سے متعارض ہیں، اور احادیث نے دفتر ایک سازش کے طور پر مدون کر کے دین کا جزو بنا دیے گئے ہیں۔ حالانکہ پوزیشن بالکل برعکس ہے۔ فی الجملہ ذخائرِ احادیث ایمان و حکمت کے جواہر بے بہا کے خزائن ہیں۔ علم کے ان درخشاں موتیوں میں سے ایک ایک کی قدر و قیمت کی گواہی قرآن خود دیتا ہے۔ کہیں اکا دکا کوئی سنگ ریزہ بھی ان میں باوجود چھان پھٹک کے باقی رہ گیا تو رہ گیا۔ ایسے سنگ ریزوں کو روایت و درایت، اور قرآن اور سنت کے مجموعی شعور کی کسوٹیوں کے ذریعے الگ کیا جا سکتا ہے۔

یہ مہم جس فنِ لطیف کے ساتھ چلائی جا رہی ہے وہ اپنے اندر بڑے دلچسپ انداز رکھتا ہے۔ حدیث پر حملہ کے حسبِ ذیل طریقے اختیار کیے گئے ہیں:۔

— وہ روایات جن کے بارے میں پہلے سے ہمارے علماء و ائمہ کی تحقیق یہ ہے (اور اس کا تحریری ریکارڈ موجود ہے) کہ فلاں فلاں روایات ضعیف یا ناقابلِ استناد ہیں، ان کو نمک مرچ لگا کر سامنے لایا جاتا ہے۔

— وہ روایات جن پر محققین نے خود ہی اعتراضات وارد کر کے پھر ان کے جواب دینے کے بعد ان کی پوزیشن صاف کر دی ہے، ان میں سے بعض کو لے کر محققین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا حصہ، کبھی حوالوں کے ساتھ اور کبھی اپنی طرف سے پیش کر کے جواب کا حصہ نگاہوں سے اوجھل چھوڑ دیا گیا ہے۔

— وہ روایات جن سے قرآن کے مطابق کوئی مفہوم اخذ ہونے کے ساتھ کوئی مکروہ قسم کی تاویل کی جا سکتی ہو، ان کے لیے قرآنی مفہوم کو دانستہ پیچھے ڈال کر ایک مکروہ تاویل کو ابھار دیا جاتا ہے۔

— ایسی افسوسناک مثالیں بھی موجود ہیں جن میں ایک حدیث کے اندر لغت و ادب اور دوسری ساری پابندیوں سے بے نیاز ہو کر ایک نامعقول مفہوم اپنی طرف سے داخل کر دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح اثر یہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ فی الجملہ احادیث کے خزائن میں کھوٹا مال بھرا پڑا ہے اور جو اس اثر میں آجاتا ہے وہ احادیث پر پہلی نگاہ اعتماد کی نہیں، شک و شبہ کی ڈالتا ہے۔ آپ کے دونوں سوالات کو سامنے رکھنے سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس طرح کا زاویۂ نظر آپ کے اندر نہ ابھر رہا ہو۔ یہ زاویۂ نظر اگر ایک بار پیدا ہو جائے اور ایک ایک حدیث کو آدمی مشکوک قرار دے کر اسے زیر بحث لانے کے چکر میں پڑ جائے تو اس کی ساری عمر گذر جائے گی لیکن سنت نبویؐ اور اسوۂ حسنہ کے بارے میں مجموعی حیثیت سے وہ ایمان کبھی نصیب نہ ہوگا جس کے بغیر اطاعت رسول صلعم کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔[1]

آپ منکرین حدیث کے پروپیگنڈے میں سے تجزیہ کر کے وہ اصولی اختلاف برآمد کریں جو بحیثیت مجموعی ان کو نظام دین و شریعت سے ہے اور پھر اس اختلاف کو اصولی حیثیت سے اِدھر یا اُدھر کسی ایک طرف ختم کر کے یکسو ہوں۔ اگر آپ یہ تسلیم کریں کہ سنت رسولؐ ماخذ شریعت ہے اور یہ مانیں کہ حدیث سنت نبوی کا زیادہ سے زیادہ حد تک قابل اعتماد ریکارڈ ہے تو پھر فی الجملہ اس ریکارڈ کو بھروسے کے ساتھ لیں اور اسے ایمان و حکمت حاصل کرنے کے لیے پڑھیں۔ جہاں کہیں کھٹک پیدا ہو، وہاں محدثین کی کتابوں اور اہل علم سے مدد لے کر معلوم کریں کہ کسی روایت کا اسنادی درجہ کیا ہے اور اس کے مفہوم کی تاویل احسن کیا ہو سکتی ہے جو اسے قرآن و سنت کے فریم میں کسی ٹھیک مقام پر نصب کر دے۔ ان مراحل کو طے کر جانے پر بھی اگر ایک روایت قرآن سے تضاد رکھتی ہو تو حق یہی ہے کہ اسے بالائے

۱؎ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو کوئی فتنہ گر آکر یہ کہے کہ تو جس مکان میں رہتا ہے وہ تیرے باپ نے تمام تر حرام کمائی سے بنایا ہے اور پھر وہ کبھی اس کی کسی اینٹ کے بارے میں یہ شبہ پیدا کرے کہ یہ مال مسروقہ ہے اور کبھی اس کی کسی کڑی کے بارے میں یہ شک پیدا کرے کہ یہ فلاں جگہ سے غصب کر کے لائی گئی ہے۔ مخاطب اگر سلیم الدماغ ہو تو وہ پہلے یہ طے کرے گا کہ اس کا باپ حرام خور تھا بھی یا نہیں اور اگر اسے یقین ہوگا کہ اس کا باپ حلال کی حدود کا پابند تھا تو وہ ایک ایک اینٹ اور ایک ایک کڑی کے بارے میں شبہات میں مبتلا ہونے کے بجائے فتنہ گر کو دھتکار کر اپنے کام میں لگ جائے گا۔ لیکن ایک سادہ لوح اگر فتنہ گر کے چکر میں آگیا تو وہ اینٹوں اور کڑیوں میں سے ایک ایک کی تفتیش میں پڑ کر اپنی پوری عمر صرف کر بیٹھے گا اور کرنے کا کوئی کام اس کے ہاتھوں نہ ہو سکے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاق رکھ دیں۔ نہ یہ کہ جو حدیث اپنے جی کو نہ لگی، یا جس کے مفہوم کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش آئی اس پر کھٹ سے قرآن سے تضاد رکھنے کی مہر لگا دی۔

اب آئیے اصل بحث کی طرف۔ جس روایت کو آپ نے پیش کیا ہے وہ سمع موتیٰ کی بحث سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ یہ مسئلہ جھگڑے کے اختلافی مسئلوں میں سے ایک ہے اور اسے مناظرہ آراؤں نے خوب خوب رگیدا ہے۔ ان جھگڑوں کی وجہ سے خود یہ اور اس سلسلے کی دوسری روایات بھی اختلافات کا اکھاڑا بن گئی ہیں لیکن حقیقت قرآن اور حدیث دونوں کی رُو سے بالکل صاف ہے۔

عالم برزخ سے گذرنے والوں کو جو احوال و کوائف پیش آتے ہیں ان کو قرآن اور حدیث کی جملہ تفاصیل کی روشنی میں زیر غور لائیے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ سب معاملات اجساد سے نہیں ارواح سے متعلق ہیں، اور ارواح کے معاملات کو زمان و مکان کے اُن تصورات کی عینک سے دیکھنا مغالطہ پیدا کرتا ہے جو ہماری موجودہ مادی زندگی میں ہمارے ذہن پر مسلط ہیں۔ ہم عالم برزخ کی خبروں کو اسی مادی زندگی کی اصطلاحات (TERMS) کے ساتھ ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں اور ٹھوکر کھاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک عالم برزخ ایک قبر[1] کے رقبے میں واقع ہے اور روح پر جو کچھ گذرتی ہے اس کا تصور باندھتے ہوئے مادیت کے خوگر ذہن کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں کہ روح و جسد میں حیات ارضی کے نمونے پر جوڑ لگا دیں۔ جسد سے آزاد روح کا تصور کرنا ہمارے ذہن کی عادت کے خلاف ہے۔ یہیں سے ساری غلط فہمیاں شروع ہوتی ہیں۔ ہم ایک قبر کو دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ مردہ اسی کے رقبے میں عالم برزخ کی منازل کو طے کر رہا ہے اور اپنے اُسی مادی جسد کے ساتھ طے کر رہا ہے جو اس قبر میں مدفون ہے۔ پھر انہی غلط فہمیوں کے ساتھ ہم اس عالم سے متعلق آیات و احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ طرح طرح کے اشکالات میں اُلجھتے ہیں اور گوناگوں سوالات ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ انہی اشکالات میں سے ایک سمع موتیٰ کا مسئلہ ہے۔

---

[1] احادیث میں بھی ہمارے مادی ذہن کی رعایت سے عالم برزخ کے احوال کو احوال قبر کے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے لیکن قبر سے مراد وہاں دو گز رقبہ زمین نہیں، کیونکہ بہت سے مُردوں کو سرے سے قبر نصیب ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ احوال قبر کا سامنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارواح کے بارے میں یہ حقیقت واضح ہے کہ ان کو قبروں میں نہیں بلکہ سجین اور علیین میں رکھا جاتا ہے جو عالم ارواح کے دو بڑے شعبے ہیں۔ ایک کی نوعیت حوالات کی سی ہے جس میں مجرمین کی ارواح قید میں ڈال دی جاتی ہیں، دوسرے کی حیثیت شاہی مہمان خانے کی سی ہے جہاں مقربین و صالحین کی ارواح کو سرکاری مہمان (STATE GUEST.) بنا کر رکھا جاتا ہے۔ یہ دونوں کے دونوں گروہ اپنے نتائج اعمال پانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے شاہی دربار کے انعقاد کا انتظار کرتے ہیں۔ قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں شعبوں کی ارواح کے روابط عالم مادی سے کٹ جاتے ہیں۔ "سمع" انسانی اصطلاح میں حرف و صوت کے جس سسٹم پر مبنی ہے اس کے کام کرنے کا انحصار ہوا کی لہروں اور آلۂ گوش کے طبل کی حساسیت پر ہے۔ ایک میت کا جسد ہی جب لقمۂ خاک ہو گیا، اس کا طبلِ گوش ہی ناکارہ ہو گیا، اس کے نظامِ اعصاب اور حسیات ہی کو جب معطل کر دیا گیا اور ہوا کی لہروں کو روکنے کے لیے جب تودۂ ہائے خاک راستے میں حائل ہو گئے تو وہ سسٹم برقرار رہا ہی کب جسے ہم اپنے لغت میں لفظ "سمع" سے بیان کرتے ہیں۔

نبی صلعم کے حضورؐ سے چند ایسی روایات ہم تک پہنچتی ہیں کہ جن کے اندازِ بیان سے سمعِ موتیٰ کے اثبات کا شبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان روایات کے ساتھ ہی ساتھ ہم تک خود صحابۂ کرام کا استعجاب و اضطراب بھی پہنچتا ہے جو ان کو سن کر معاً پیدا ہوا اور اسی وجہ سے پیدا ہوا کہ ایک مسلمہ حقیقت کے خلاف ایک مفہوم سامنے آتا تھا۔ لیکن ان روایات کے ساتھ وہ تاویل بھی ہم تک پہنچتی ہے جس کے ذریعے صحابہ کا اطمینان ہو گیا۔ یہاں باقی ساری روایات کو درکنار رکھ کر خاص طور پر آپ کی پیش کردہ حدیث پر گفتگو کی جاتی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ چوبیس اکابرِ کفار کو گڑھے میں ڈلوانے کے بعد آپ اس کے کنارے کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک ایک کا نام اور اس کے باپ کا نام پکار کر فرمایا کہ "اے فلاں ابن فلاں، اے فلاں ابن فلاں!! کیا تمہارے لیے خوش آئند نہ ہوتا، اگر تم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ پس ہم نے تو درست پایا جو کچھ اللہ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، تو کیا تم نے بھی اللہ کے کیے ہوئے وعدے کو برحق پایا؟"

روایت اگر اتنی ہی ہوتی تو اس کی یہ توجیہ کافی تھی کہ بسا اوقات کسی بے جان شے کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روئے سخن کرکے ایسی بات کہی جاتی ہے جس کا اصل مخاطب آدمی خود اپنے آپ کو بناتا ہے یا دوسرے سامعین کو۔ یہ اسلوب دنیا کا ایک معروف اسلوب ہے۔ اس کی ایک واضح مثال حضرت عمرؓ کا حجر اسود کو مخاطب بناکر یہ کہنا ہے کہ یاد رکھ تو محض ایک پتھر ہے، ہمارا معبود نہیں، ہم تجھے بوسہ اس لیے دیتے ہیں کہ آنحضور صلعم نے ایسا کیا ہے (اوکما قال) اس قول کے ذریعے پتھر کو متاثر کرنا مطلوب نہ تھا بلکہ ایک حقیقت کو حضرت عمرؓ اپنے ذہن میں راسخ کرنا چاہتے تھے، نیز اپنے رفقائے دین کو اس کا گہرا احساس دلانا چاہتے تھے۔ ٹھیک یہی توجیہ آنحضور صلعم کے اس تکلم کی کی جاسکتی ہے جو آپ نے سرداران کفار کے لاشوں سے فرمایا۔ لیکن روایت میں ایک جزء اور بھی ہے۔ آنحضور کے تکلم پر حضرت عمر چپ نہ رہ سکے اور آپ نے بے روح اجساد سے تکلم کیے جانے پر تعجب کا اظہار کیا۔ اس پر آنحضور صلعم نے فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم — اس ذات کی قسم جس کے پنجے میں محمدؐ کی جان ہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے بڑھ کر سننے والے نہیں ہو!

بظاہر ان الفاظ سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ لاشے سن رہے تھے اور اس روایت سے ایک سرسری نگاہ رکھنے والا تاری یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مُردے اور لاشے سنتے ہیں۔ لیکن بخاری کے اسی سلسلۂ باب میں، جہاں یہ روایت مذکور ہے وہاں وہ روایات بھی تو ہیں جو صحابہ کے فہم روایت کو سامنے لاتی ہیں۔ حضرت قتادہ اس کی یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولہ توبیخا و تصغیرا وحسرۃ وندما یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لاشوں میں وقتی طور پر زندگی کی رو دوڑا دی اور ان کے حسِ سماعت کو بیدار کر دیا، تا آنکہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنوا دیں۔ اس سے مقصود ملامت و تذلیل تھی اور پشیمانی اور ندامت کے احساسات کا اُبھارنا تھا۔ جس شخص سے براہِ راست ٹکر لیتے ہوئے ان کی ساری عمریں گذری تھیں، اسی کے روبرو پڑے ہوئے اسی کی زبان سے ایک طرف یہ سننا کہ چکھ لیا مزہ اپنے کرتوتوں کا، اور دوسری طرف عالمِ آخرت میں اس کی دی ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشگی اطلاع کے مطابق جہنم کے شعلوں کی لپک کو آنکھوں سے دیکھنا انتہائی ذلّت و نامرادی کا سماں پیدا کر دیتا ہے۔ بہرحال حضرت قتادہ اس صورتِ واقعہ کو معجزے کی حیثیت دیتے ہیں کہ خاص رسول اللہ کے لیے اس خاص لمحے ایک عمومی حالت کو بدل دیا گیا۔ اس توجیہ میں کوئی اشکال نہیں نظر آتا۔ اگر معجزانہ حیثیت سے موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کو لکڑی کا ایک عصا سُن سکتا ہے اور آپ کے ارشادات کی تعمیل کر سکتا ہے اور اس سے قرآن میں تضاد واقع نہیں ہوتا تو اس بات میں کیوں عدمِ امکان مانا جائے کہ آنحضورؐ چند لاشوں کو خطاب کریں اور وہ اسے ٹھیک اس طرح سُنیں جیسے ایک زندہ انسان سنتا اور متاثر ہوتا ہے۔ اس چیز کی وجہ سے قرآن اور حدیث میں تضاد و تناقض کا ہونا کیوں تسلیم کر لیا جائے؟

دوسری توجیہ وہ ہے جو حضرت عائشہؓ نے فرمائی۔ ہشام کے والد نے ابن عمرؓ کے حوالے سے نوحہ کرنے اور مردے پر عذاب ہونے والی روایت حضرت عائشہ کی خدمت میں سمجھنے کے لیے پیش کی۔ حضرت عائشہ نے اس کا مطلب واضح کرتے ہوئے اسی بدر کے واقعہ کو بطور مثال لیا۔ آپؓ نے لاشوں کے سمع کا صحیح مفہوم پیش کرنے کے لیے نبی صلعم کے قول کے اصل مدعا کو ذیل کے الفاظ سے بیان کیا:۔

انھم الآن لیعلمون ان الذی کنت اقول لھم ھو الحق یعنی یہ لوگ اب خوب سمجھ گئے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہتا رہا تھا وہی حق تھا۔ زندگی میں میری جس دعوت کو یہ سننے پر تیار نہ ہوتے اُسے یہ آج خوب سُنتے ہیں۔ گویا حضرت عائشہ بات کو یوں سمجھاتی ہیں کہ عالمِ ارواح یا عالمِ برزخ میں وہ لوگ ٹھیک اس انجام سے دوچار تھے جس کی خبر آنحضرتؐ نے دی تھی اور وُہ آپ کی دعوت کی سچائی کو خوب جان چکے تھے۔ "یسمعون" بمعنی "یعلمون" اس لیے لایا جاتا ہے کہ سماعت ذریعۂ علم ہے، سنانا ہوتا ہی کسی حقیقت کا علم دینے کے لیے ہے۔ سو بدر کے مقتول سردارانِ کفار اس حقیقت سے براہِ راست دوچار تھے جس کے لیے نبی صلعم نے پوری کوشش کی کہ پردۂ غیب کے قائم رہتے ہوئے وہ اُسے آپ سے سُن کر پالیں۔ اللہ کا وعدہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف مسلمانوں کے ساتھ پورا ہوا اور دوسری طرف ان مقتولین اور ان کے پیروؤں کے ساتھ!

پھر ابن عمرؓ اصل روایت میں ذرا سے تغیر کے ساتھ یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے گڑھے پر رُکے اور کہا "کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے کیے ہوئے وعدے کو برحق پایا؟" پھر فرمایا "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، یہ لوگ اسے خوب سنتے ہیں" ابن عمرؓ نے اس واقعہ کا ذکر حضرت عائشہؓ سے کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "انما قال النبی صلعم: انھم الآن لیعلمون ان الذی کنت اقول لھم ھو الحق" یہاں اصل روایت کے الفاظ ہمیں اس مفہوم سے مزید قریب کر دیتے ہیں جسے حضرت عائشہ نے اختیار فرمایا اور پوچھنے والوں کو بتایا۔

ان دونوں موقعوں پہ یہ چیز قابل توجہ ہے کہ خود حضرت عائشہ "انک لا تسمع الموتیٰ" اور "وما انت بمسمع من فی القبور" کی تلاوت بھی کرتی ہیں جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آپ بھی سمع موتیٰ کی نفی کی قائل نہیں۔ پھر جب حضرت عائشہ کو واقعہ بدر کی روایت اور قرآن میں کوئی تضاد و تناقض نہیں نظر آتا، بلکہ وہ ایک تاویلِ احسن پر مطمئن ہو جاتی ہیں اور دوسرے سائلین کو بھی مطمئن کرتی ہیں تو آخر آج نیا تضاد و تناقض کو نسا واقع ہو گیا۔

یہ دونوں توجیہات بالکل معقول اور قرینِ فہم ہیں اور ان میں سے جسے بھی اختیار کیا جائے مذکورۂ بالا روایت کتاب الٰہی اور سنتِ نبوی کے فریم میں ٹھیک ٹھیک نصب ہو جاتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان دونوں توجیہات سے کنی کاٹ کر ایک ایسا مدعا اخذ کیا جائے جو خواہ مخواہ تضاد و تناقض ہی کو پیدا کرنے والا ہو۔ یہ طریقہ تو منکرینِ حدیث کا امتیازی (TYPICAL) معمول ہے کہ وہ بالکل آنکھوں کے سامنے موجود تاویلِ احسن کے لیے اپنے آپ کو اندھا بنا کر ابتغائے فتنہ کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

خدا ہمارے لیے اور آپ کے لیے امرِ حقیقی کے فہم کے دروازے کھول دے!

© rasailojaraid.com